AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 5, Issue 1, June 2021, PP: 97-110
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

شرکت کے معاصر مسائل میں تلفیق بین المذاہب کی فعالیت-ھیئۃ المحاسبۃ کے فتاوی کا تحقیقی جائزہ

Application of Talfīq in Contemporary Issues of Participation-Research Study of the Fatwās Issued by AAOIFI

Abdul Razzaq, Muhammad Husnain
[1] Assistant Professor, Government Graduate College Samundri Faisalabad, Pakistan
[2] Assistant Professor, University of Education Town Ship Campus Lahore, Pakistan

ARTICLE INFO

Article History:
Received 11 March 2021
Revised 19 April 2021
Accepted 30 May 2021
Online 30 June 2021

DOI:
***Keywords**:*
Talfīq,
Finance,
Mushārakah,
Majlis-e-Shar'ī.

ABSTRACT

To juxtapose various components in one issue or various issues, and to adopt various jurists' points of views is called "Talfiq." In the present radical age of science and technology, each and every social faculty is being radicalized particularly in finance; there are certain complications in the monetary systems of various countries. In this scenario, to concentrate on one school of thought and deduce the solution of these financial issues has now become impossible. That is why, Majlis-e-Shar'ī concentrate on "Talfīq-bainul-Mazāhib", where various parallel issues are solved. The Majlis has prepared a Shar'iyyah standard where practicable and beneficial financial issues are elaborated. The juarists have elaborated various principles of "Bay'-e-Salam", and presented various relevant issues taking the insight from various scolars of Mālikī, Ḥanafī, Shāfa'ī and Ḥanbalī schools of thoughts and focused on "Talfīq." The present research paper the decrees related to Talfīq will be explored, where the jurists have adopted it. Whether it is allowed or prohibited. If it is allowed, to what extent?

*Corresponding author's email:abdulrazzaq6064@gmail.com

CC BY

تعارف وضرورت واہمیت

معیشت انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے اسلام اگرچہ دیگر معاشی نظاموں کی طرح کوئی معاشی نظام نہیں ہے لیکن اسلام ہمیں دیگر تمام شعبوں کی طرح تجارت ومعیشت میں بھی بنیادی اصول وضوابط اور تجارتی اخلاقیات کی تعلیم بہت احسن انداز سے دیتا ہے،اس وقت تجارت ومعیشت کے مسائل جدید بھی ہیں اور بہت پیچیدہ بھی۔اس لئے معاصر اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ان تمام معاصر معاشی مسائل کو کسی ایک فقہی مذہب کے مطابق اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا بہت مشکل اور تقریبا ناممکن ہے اس لئے معاصر علمائے کرام نے اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے جو اصول وضوابط وضع کیے ہیں وہ مختلف فقہی مذاہب کو ملا کر ترتیب دیے ہیں بعض دفعہ کسی ایک باب میں ایک سے زیادہ فقہی مذاہب کو اکھٹا کرتے ہیں تو بعض دفعہ ایک ہی مسلئے میں مختلف ائمہ کی آراء کو بیک وقت عمل کے لئے جمع کر لیا جاتا ہے جسے اصطلاحِ فقہاء میں تلفیق کہا جاتا ہے۔بہت سے علماء نے تلفیق کی شدید مذمت بھی بیان ہے اور اسے ممنوع قرار دیا ہے اور بہت سے علماء سے مطلقا جواز بھی منقول ہے۔جب کہ جمہور علماء چند شرائط کے ساتھ تلفیق کی اجازت دیتے ہیں۔زیر نظر مقالہ میں شرکت ومشارکت کے باب میں "ہیٔۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیۃ الاسلامیۃ" کے تلفیق پر مبنی فتاوی کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ان مسائل میں کی گئی تلفیق جواز کے دائرہ میں آتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں آتی تو اس کی متبادل کیا صورت ہو سکتی ہے؟

شرکت کے مسائل میں تلفیق بین المذاہب

مشارکہ اور شرکۃ میں تلفیق پر مبنی صورتوں کا جائزہ:

"مشارکہ" اصل میں عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی شریک ہونا ہے،کاروباری وتجارتی پس منظر میں اس سے مراد ایک ایسا مشترکہ کاروبار ہوتا ہے جس میں سب حصہ دار مشترکہ کاروبار کے نتیجے میں نفع اور نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں یہ سود پر مبنی تمویل کا ایک مثالی متبادل ہے، جس سے پیدائش دولت اور تقسیم دولت پر بڑے اچھے اور مثبت نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

جدید سرمایہ دارانہ معیشت میں سود واحد ذریعہ ہے جس کو ہر قسم کی تمویل کے لیے بے دھڑک استعمال کیا جاتا ہے۔اسلام میں چونکہ سود حرام ہے اس لئے اسے کسی بھی قسم کی تمویل(Financing) کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا،اس لئے اسلامی اصولوں پر مبنی معیشت اور جدید اسلامی بنکوں میں مشارکہ بڑا جاندار کردار ادا کر سکتا ہے۔

سودی نظام میں بنک کی طرف سے دیے جانے والے قرضہ پر زائد واپس کی جانے والی مقدار پہلے سے طے کر لی جاتی ہے، قطع نظر اس کے کہ قرض لینے والے کو نفع ہوتا ہے یا نہیں؟ جبکہ مشارکہ میں واپس کی جانے والی رقم کی شرح پہلے سے طے نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس میں منافع مشترکہ کاروباری مہم میں حاصل ہونے والے حقیقی نفع پر مبنی ہوتا ہے، اگر نفع ہو گا تو شرکاء میں تقسیم ہو گا ورنہ نہیں ہو گا، بلکہ یہاں تو نقصان کی صورت میں شرکاء کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا،سودی قرضہ میں سرمایہ فراہم کرنے والا (فائنانشر) کبھی بھی نقصان نہیں اٹھاتا، جبکہ مشارکہ میں نقصان ہوتا ہے۔

یہ بنیادی فرق ہے سودی طریقہ تمویل اور اسلامی طریقہ تمویل میں۔کیونکہ سودی طریقہ تمویل میں قرضہ لینے والے اور دینے والے دونوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں بسا اوقات قرضہ لینے والا اس سے کروڑوں کماتا ہے اور سرمایہ فراہم کرنے والے کو وہ معمولی سا طے

شدہ سود ادا کرتا ہے، جبکہ بعض دفعہ اسے شدید نقصان ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی سود پر قرضہ دینے والا اس سے اصل کے ساتھ سود بھی وصول کرتا ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی فلسفہ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام مشارکہ کو سودی تمویل کے متبادل کے طور پر کیوں پیش کرتا ہے۔ تمام فقہاء کرام نے شرکت کی تفصیلات کو بڑی مفصل مباحث کی صورت میں بیان فرمایا ہے لیکن وہ اکثر و بیشتر شرکت کی قدیم صورتوں سے متعلق ہیں آج کے جدید مسائل کا حل قدیم فقہاء کے ہاں بعینہ نہیں ملتا۔ اس لئے ہیئۃ المحاسبۃ نے تمام فقہی اصولوں کو سامنے رکھ کر ایک معیار ترتیب دیا ہے جس میں بڑی تفصیل سے شرکۃ کی جدید صورتیں اور ان کے احکام بیان کئے ہیں۔

ذیل میں معاصر اسلامی مالیاتی اداروں میں رائج مشارکہ میں تلفیق پر مبنی صورتوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ اس میں کہاں کہاں تلفیق ہوئی ہے؟ اور کیوں ہوئی ہے؟ اور پھر اس بات کا بھی جائزہ لیا گیا کہ یہ تلفیق مذموم ہے یا جائز ہے؟۔

مشارکہ میں منافع کی تقسیم:

اگر چند افراد مل کر شرکت کرتے ہیں اور مل کر ایک کاروبار کرتے ہیں اور اس میں ہر ایک شریک نے مختلف فیصد کے اعتبار سے سرمایہ لگایا ہے تو سوال یہ ہے کہ نفع کی تقسیم کا فارمولا کیا ہو گا؟ کیا برابر ہو گا یا راس المال کے اعتبار سے ہو گا؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا خاصا اختلاف موجود ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کا مذہب:

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ضروری ہے کہ مشارکہ میں ہر شریک اپنی سرمایہ کاری کے تناسب کے بالکل مطابق ہی نفع حاصل کرے، کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے بلکہ اگر کمی بیشی کی تو مشارکہ کا عقد درست نہیں ہو گا، لہذا اگر "الف" کی طرف سے لگایا گیا سرمایہ کل سرمایہ کا چالیس فیصد ہے تو وہ کل نفع بھی چالیس فیصد حاصل کرے گا، ان کے نزدیک ہر ایسا معاہدہ جس کی رو سے وہ چالیس فیصد سے کم یا اس سے زیادہ نفع کا مستحق بنتا ہو مشارکہ کو شرعاً غیر صحیح بنا دے گا۔[1]

یہ حضرات منافع کو نقصان پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے نقصان ہر شریک سرمایہ کے تناسب سے برداشت کرتا ہے، اسی طرح نفع بھی اسی تناسب سے لے گا، جیسے ایک آدمی پر زیادہ نقصان ڈالنا شرکت کو فاسد کر دیتا ہے ایسے ہی ایک آدمی کیلئے سرمایہ سے زیادہ یا کم نفع دینا بھی شرکت کو غیر شرعی بنا دیتا ہے، کیونکہ ایسی شرط لگانا ان کے نزدیک مقتضائے عقد کے منافی ہے، لہذا یہ شرعاً درست نہیں۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب:

اس کے برعکس امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ نفع کا تناسب سرمایہ کاری کے تناسب سے مختلف ہو سکتا ہے، اگر یہ بات حصہ داروں کے درمیان آزاد مرضی سے طے پا جائے، لہذا یہ جائز ہے کہ جس کی سرمایہ کاری چالیس فیصد ہے، وہ ساٹھ فیصد نفع لے لے جبکہ ساٹھ فیصد سرمایہ کاری والا نفع کا تیس یا چالیس فیصد لے۔[2]

احناف کا مذہب:

احناف کا مذہب ان دونوں کے درمیان ہے، حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں تو نفع طے شدہ فارمولے کے تحت ہی تقسیم ہو گا یعنی سرمایہ کے تناسب سے تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے، اس میں کمی و زیادتی ہو سکتی ہے لیکن اگر زیادہ منافع والے نے عقد میں کام نہ کرنے کی شرط

لگا دی تو پھر عقد درست نہیں ہو گا، کیونکہ منافع کا استحقاق یا تو مال کی وجہ سے ہوتا ہے یا کام یا ضمان کی وجہ سے، اس لئے یہ شرط تو لگائی جا سکتی ہے کہ زیادہ منافع لینے والا کام کرے گا، لیکن یہ شرط نہیں لگائی جا سکتی کہ زیادہ منافع والا کام نہیں کرے گا۔[3]

حنفیہ کی دلیل: حدیث پاک ہے:

"الرِّبْحُ عَلَى مَا شَرَطَا، وَالْوَضِيعَةُ عَلَى قَدْرِ الْمَالَيْنِ"[4]

"منافع طے شدہ تناسب کے ساتھ اور نقصان مالیت کی مقدار کے اعتبار سے برداشت کرنا ہو گا"

اس حدیث میں واضح طور پر آپ ﷺ نے اس کی اجازت عطا فرمائی ہے لہذا یہ درست ہے۔

مجلس شرعی کا فتوی:

مجلس شرعی نے اس میں حنفیہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے اور آج کل اسی کے مطابق ہی تمام جدید اسلامی مالیاتی ادارے عمل کرتے ہیں، نفع کو سرمائے کے تناسب سے تقسیم نہیں کیا جاتا۔

چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں ہے:

"الأصل أن تكون نسبة الربح متوافقة مع نسبة الحصة في رأس المال ولأطراف الشركة الاتفاق على نسبة مختلفة عنها، على ألا تكون النسبة الزائدة عن الحصة لمن يشترط عدم العمل. أما من لم يشترط عدم العمل فله اشتراط الزيادة ولو لم يعمل"[5]

"اصل یہ ہے کہ نفع کا تناسب سرمایہ کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرکاء، سرمایہ کے تناسب سے مختلف نفع کے تناسب پر اتفاق کر لیں بشرطیکہ جس فریق کے کام نہ کرنے کی شرط رکھی گئی ہو تو اس کے نفع کا تناسب سرمائے کے تناسب سے زیادہ نہ ہو، اور جس شریک کے کام انجام نہ دینے کی شرط نہیں رکھی گئی تو اس کے نفع کا تناسب سرمائے کے تناسب سے زیادہ ہو سکتا ہے اگرچہ فی الواقع وہ کام میں شریک نہ ہو۔"

اس کی شرعی بنیاد میں مجلس شرعی کے علماء لکھتے ہیں:

"مستند جواز أن تكون نسبة الربح متفقة مع نسبة الحصة في رأس المال أو مختلفة عنها...: أن الربح يستحق أما بالمال أو بالعمل أو بالضمان فإذا تحقق أحد الأسباب الثلاثة فلا مانع من الاتفاق على نسبة الربح حسب تراضي الشركاء وهو مذهب الحنفية والحنابلة" [6]

"نفع کا تناسب سرمائے کے حصے سے کم و بیش ہونے کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ انسان نفع کا حق دار یا مال کی وجہ سے ہوتا ہے یا کام کی وجہ سے یا ذمہ داری قبول کرنے کی وجہ سے، ان تینوں اسباب میں سے اگر کوئی ایک سبب بھی پایا گیا تو نفع کا تناسب شرکاء کی رضامندی سے کچھ بھی مقرر کیا جا سکتا ہے، یہ احناف اور حنابلہ کا مذہب ہے۔"

مجلس شرعی کے فتوے کا جائزہ:

مجلس شرعی کا عصر حاضر میں کاروباری حضرات کے مسائل اور بنکوں کے معاملات کو دیکھتے ہوئے حنفیہ کے مذہب کو اختیار کرنا بالکل

درست معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مالیتی ادارے جس فرم کو بطور شرکت سرمایہ فراہم کرتے ہیں وہ عام طور پر کاروبار میں بڑے ماہر ہوتے ہیں لہذا ایسے افراد کبھی بھی سرمائے کے تناسب سے نفع کا تناسب سے مقرر کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے، اس لئے حنفیہ اور حنابلہ کی رائے پر فتوی دیناوقت کی ضرورت معلوم ہوتا ہے، مجلس شرعی نے جو فتوی دیا اس میں یہ شرط ہے کہ زیادہ نفع لینے والا یہ شرط نہ لگائے کہ وہ کام نہیں کرے گا، یہ شرط حنفیہ نے لگائی، حنابلہ اس شرط کے بغیر ہی مطلقا کمی وزیادتی کے جواز کے قائل ہیں لیکن مجلس شرعی نے اس کے جواز کی جو علت ذکر کی ہے یعنی نفع ملتا ہے مال، کام یاضمان کی بنیاد پر، یہ حنفیہ اور حنابلہ دونوں کی مشترکہ دلیل ہے اسی لئے مجلس نے کہا یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔ بہر حال مجلس شرعی کا یہ فتوی عصر حاضر کے عین مطابق اور درست ہے۔ یہاں تک تو مجلس شرعی کی بات درست ہے، لیکن نفع کی تقسیم میں مجلس شرعی نے ایک اور ضابطہ 3-1-5-5 ذکر کیا ہے۔

"يجوز الاتفاق على أي طريقة لتوزيع الربح ثابتة أو متغيرة لفترات زمنية: بنسبة كذا للأولى وكذا للثانية تبعا لاختلاف الفترة أو بحسب كمية الأرباح المحققة، شريطة ألا تؤدي إلى احتمال قطع اشتراك أحد الأطراف في الربح"[7]

"منافع تقسیم کرنے کے کسی بھی طریقہ کار پر اتفاق کیا جا سکتا ہے اور یہ پوری شرکۃ کی مدت کیلئے یکساں بھی ہو سکتا ہے اور مختلف دورانیوں کیلئے مختلف بھی، مثلا پہلے دورانیے میں تناسب یہ ہو گا اور دوسرے میں یہ، یا حاصل شدہ نفع کی مقدار کے اعتبار سے تناسب مختلف ہو گا (مثلا نفع ایک لاکھ ہوا تو تناسب یہ ہو گا اور اگر نفع دولاکھ ہوا تو نفع کا تناسب یہ ہو گا) لیکن یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ کوئی ایسی صورت نہ ہو جس میں کوئی فریق نفع سے مکمل محروم قرار نہ پائے۔"

اس ضابطے کا حاصل یہ ہے کہ نفع کی تقسیم میں یہ بات بھی درست ہے کہ مختلف زمانوں میں نفع کا تناسب بھی مختلف ہو یعنی پہلی سہ ماہی، دوسری سہ ماہی یا پہلے چھ ماہ اور دوسرے چھ ماہ کے حساب سے ہر شریک کے نفع کے تناسب میں تبدیلی کی جاسکتی ہے کہ پہلے چھ ماہ میں 'الف' کا چالیس فیصد ہو گا اور "ب" کا ساٹھ فیصد ہو گا اور دوسرے چھ ماہ میں اس کے برعکس۔ تو مجلس شرعی کے نقطہ نظر میں یہ جائز ہے کیونکہ اس میں قطع شرکۃ یعنی ایک فریق بالکل نفع سے محروم ہو جائے، یہ نہیں ہو رہا ہے اور اسی ضابطے میں دوسری صورت نفع کی تقسیم کی یہ ہے، بحسب کمیۃ بالارباح المحققۃ یعنی حاصل شدہ نفع کی مقدار کے اعتبار سے طے کیا جائے کہ اگر ایک لاکھ نفع ہو تو تناسب یہ ہو گا یعنی الف کو دس فیصد اور ب کو نوے فیصد ملیں گے لیکن جب نفع پانچ لاکھ ہو گا تو تقسیم اس کے برعکس ہو گی۔

مجلس شرعی کے فتوی کا جائزہ:

مجلس شرعی کا یہ فتوی مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر درست معلوم نہیں ہوتا۔

1. اس کے درست نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی فقیہ نے اس طرح کا کوئی جزئیہ ذکر نہیں کیا، جس سے اس طرح کی تقسیم کا جواز معلوم ہوتا ہو،
2. مجلس شرعی نے اس کی کوئی شرعی دلیل ذکر بھی نہیں کی، بس صرف یہ کہا ہے کہ قطع شرکت نہ ہو یعنی ایک فریق بالکل نفع سے محروم نہ ہو اور یہاں ایسا ہی ہے۔

3. مجلس شرعی کے فتاوی عام طور پر کسی نہ کسی فقیہ کے قول پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ اس صورت میں ایسا نہیں ہے۔
4. آج کل لوگ اس کو سود کے حیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں مثلا بازار میں اگر سود کا تناسب دس فیصد ہے تو مستقرض چاہے گا کہ میں سرمایہ دار کو صرف دس فیصد ہی دوں، تو اس طرح طے کرے گا کہ پہلے ایک لاکھ میں تمہیں نوے فیصد نفع ملے گا اور باقی میں ایک فیصد تو اس طرح کل حساب لگا کر اسے دس فیصد ہی دیا ہے، باقی سارا اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ تو جس طرح سود میں ہوتا ہے یہ اسی طرح کا معاملہ کر رہے ہیں تو گویا سود کا حیلہ ہے اس لئے یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ننانوے فیصد اور ایک فیصد کے تناسب سے کوئی بھی شرکت نہیں کرتا، تو یہ اس طرح کیوں کر رہے ہیں صرف سود کا حیلہ کرنے کیلئے۔
5. فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ رضامندی سے تقسیم ہو تو اس کا مطلب ہے کہ عرف کے مطابق عادلانہ تقسیم، کیونکہ حنفیہ اور حنابلہ نے اس کی جو اجازت دی ہے وہ صرف اور صرف اس بات کے پیش نظر ہے کہ بسا اوقات ایک شریک کی محنت اور تجربہ زیادہ ہوتا ہے تو اس کا حق ضائع نہ ہو، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے فریق کے ساتھ ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرے، باقی مالکیہ اور شوافع تو اس کی سرے سے اجازت ہی نہیں دیتے۔

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر مجلس شرعی کا یہ فتوی درست معلوم نہیں ہوتا اور اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سودی نظام میں قوم کے پیسوں سے سرمایہ دار تجارت کرتا ہے اور خوب نفع کماتا ہے پھر وہ بنک کو سود ادا کرتا ہے جو وہ اپنے اکاونٹ ہولڈرز میں تقسیم کرتا ہے۔ تو پیسہ عوام کا ہے اور ان کو سود ملا دس فیصد، اور سرمایہ دار کو ملا نوے فیصد، اور وہ دس فیصد بھی اشیاء کی قیمتوں میں شامل کر کے عوام سے وصول کر لیتا ہے۔ تو سودی نظام میں تو ظلم ہو رہا ہے جبکہ شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے بلکہ نفع کی عادلانہ تقسیم شریعت اسلامیہ کا تقاضا ہے اور اگر یہی معاملہ شرکت کے ذریعے ہوتا تو پیسہ اوپر کی بجائے نیچے کو آتا، لیکن اب اگر اسی شرکت کو اسی سودی نظام کا حیلہ بنا دیا جائے تو شرکت کی حقیقی حکمت تو ختم ہو جائے گی، لہذا اس طرح کی تقسیم میں عملی اور فقہی دونوں طرح کی خرابیاں موجود ہے۔ اسی ضابطے پر مجلس شرعی نے ایک اور مسئلہ مرتب کیا ہے اور ایک ضابطہ بیان کیا ہے۔

> "مع مراعاة ما جاء في البند 3/5/1/3 يجوز الاتفاق على أنه إذا زادت الأرباح عن نسبة معينة فإن أحد أطراف الشركة يختص بالربح الزائد عن تلك النسبة. فإن كانت الأرباح بتلك النسبة أو دونها فتوزيع الأرباح على ما اتفق عليه"[8]
>
> "ضابطہ نمبر (3-1-5-3) کی رعایت کرتے ہوئے یہ شرط لگانا جائز ہے کہ اگر نفع اتنی مقدار سے بڑھ گیا تو تو شرکاء میں سے فلاں شریک اس زائد مقدار کا حق دار ٹھہرے گا اور اگر نفع اتنا ہی ہوا یا اس مقدار سے کم ہوا تو پھر جو اس معاہدے میں طے پایا ہے اس حساب سے تقسیم کیا جائے گا"

اس مسئلہ میں مجلس شرعی نے اپنے اسی ضابطے کا حوالہ دیا جس پر ہم نے تفصیل سے بات کی ہے، چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ شرکاء اس بات پر اتفاق کریں کہ اگر نفع مثلا پانچ لاکھ ہو گا تو وہاں تک تو نفع طے شدہ معاہدے کے تحت تقسیم کیا جائے گا لیکن اس کے بعد سارا نفع ایک فریق کا ہو گا دوسرا محروم ہو گا۔

مجلس شرعی کے فتوے کا جائزہ:

مجلس شرعی کا یہ فتوی بھی درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بھی قطع شرکت ایک خاص قسم پائی جارہی ہے۔اور ابھی آپ کے ضابطہ نمبر3۔1/5/3 میں تھا کہ کوئی فریق محروم نہ ہو، یہاں اگرچہ ابتداء میں تو کوئی فریق محروم نہیں لیکن ایک خاص حد کے بعد محروم ہو جاتا ہے اور یہ قطع شرکت ہی ہے۔اور اس کی بھی کوئی شرعی بنیاد مجلس شرعی نے ذکر نہیں کی۔لہذا اس طریقہ سے نفع کی تقسیم محلِ نظر ہے۔اور مجلس شرعی کا یہ فتوی درست معلوم نہیں ہوتا۔واللہ اعلم بالصواب

سرمایہ کی نوعیت:

عقد مشارکہ میں سرمایہ کی نوعیت کیسی ہو؟یعنی سرمایہ نقدی ہو یا عروض؟ تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔اکثر فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ ہر حصہ دار کی طرف سے شرکت میں لگایا گیا حصہ نقد شکل میں ہونا چاہیے،جس کا مطلب یہ ہے کہ عقد مشارکہ میں زر (Money) کا ہونا لازمی ہے ورنہ معاہدہ درست نہیں ہوگا۔تاہم اس مسئلے میں دیگر آراء بھی موجود ہیں۔

امام مالک کا نقطہ نظر:

مالکیہ کے نزدیک اگر شرکاء میں بعض نقد رقم،سونا چاندی مشارکہ میں شامل کرے اور دوسرا اس کا مثل شامل کرے تو شرکت درست ہے،اسی طرح ان کے نزدیک یہ بھی درست ہے کہ ایک طرف سے عین کوئی معین چیز اور دوسرے کی طرف سے سامان تجارت ہو یا دونوں طرف سے سامان تجارت ہو تو،خواہ دونوں کی جنس ایک ہو یا الگ الگ ہو، ہر صورت میں شرکۃ درست ہوگی۔[9]

حنفیہ کا نقطہ نظر:

حنفیہ کے نزدیک مال کا نقدی ہونا شرط ہے خواہ نقدی ڈھلے ہوئے سونے چاندی کے سکے ہوں یا رائج کرنسی،یا بغیر ڈھلے ہوئے سونا چاندی،اگر ان میں تعامل جاری ہو۔تمام سامان تجارت نقدین کے علاوہ دوسرے اعیان اس لائق نہیں کہ شرکۃ کا سرمایہ یا کسی شریک کے معاملے کا حصہ بنیں،اگرچہ وہ کیلی یا موزونی یا عدد متقارب ہوں، حنفی مذہب اسی پر قائم ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ سے ظاہر روایت یہی ہے اور ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور بعض حنابلہ بھی ہیں۔[10]

امام محمد اور جمہور شافعیہ کا نقطہ نظر:

امام محمد اور جمہور شوافع نے سامان تجارت کی دو قسمیں بنائی ہیں(1) کیلی،وزنی اور عدد متقارب(2)ان کے علاوہ بقیہ تمام سامان تجارت،ان حضرات نے دوسری قسم میں شرکت کو مطلقا ناجائز قرار دیا ہے جبکہ پہلی قسم میں اگر جنس ایک ہو تو شرکت جائز ہے اگر جنس ایک نہ ہو تو شرکت کے سرمایہ میں اسے شامل کرنا درست نہیں۔[11]

جمہور حنابلہ اور بعض شوافع کی رائے:

اکثر حنابلہ اور بعض شوافع کی رائے یہ ہے کہ راس المال سرمایہ کا ڈھلا ہوا نقد ہونا شرط ہے خواہ کوئی بھی سکہ ہو،حنابلہ میں ابن قدامہ نے صراحت کی ہے کہ ذرا سا کھوٹ بھی نا قابل معافی ہے الا یہ کہ اتنی مقدار میں ہو جو نقد ڈھالنے کیلئے ضروری ہو۔[12]

امام احمد کی ایک اور روایت:

امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سامان تجارت کے ذریعہ شرکۃ مطلقا درست ہے۔، یہی رائے ابن ابی لیلی، ابو بکر اور ابو الخطاب کی بھی ہے۔[13]

مجلس شرعی کا فتوی:

اس مسئلہ میں مجلس شرعی نے امام مالک کے مذہب پر فتوی دیا ہے۔ چنانچہ المعیار الشرعی نمبر 12 الشرکۃ والشرکات الحدیثۃ کے ضابطہ 1/2/1/3 ص 163 میں ہے:

"الأصل أن يكون رأس مال الشركة موجودات نقدية يمكن بها تحديد مقدار رأس المال لتقرير نتيجة المشاركة من ربح أو خسارة. ومع ذلك يجوز – باتفاق الشركاء – الإسهام بموجودات غير نقدية (عروض) بعد تقويمها بالنقض لمعرفة مقدار حصة الشريك"[14]

"اصل یہ ہے کہ شرکۃ کا سرمایہ نقد اثاثے ہوں تاکہ اس کی مقدار کا تعین ہو سکے، تعین کی ضرورت اس لئے ہے کہ شراکۃ داری کے نتیجے میں حاصل ہونے والے نفع ونقصان کا حساب لگایا جاسکے، لیکن اس کے ساتھ شرکاء کے اتفاق سے یہ بھی جائز ہے کہ سرمایہ غیر نقد اثاثے ہوں مثلاً سازوسامان وغیرہ، لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس اثاثے کی نقد قیمت متعین کر دی جائے، تاکہ ہر شریک کا حصہ واضح طور پر معلوم ہو جائے۔"

مجلس شرعی نے اس کی شرعی بنیاد میں بتاتے ہوئے اسے امام مالک اور حنابلہ کا مذہب قرار دیا ہے تو امام مالک کا مذہب قرار دینا تو درست ہے لیکن مطلقا حنابلہ کا مذہب قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت حنفیہ والی ہے جس میں وہ زر کے علاوہ کسی سامان میں شرکت درست خیال نہیں کرتے، دوسری روایت جو اکثر حنابلہ کا مذہب بھی ہے اس میں وہ کہتے ہیں کہ نقد ڈھلے ہوئے سکے ضروری ہیں، اور تیسری روایت جس کو ابن ابی لیلی نے اختیار کیا ہے۔ اس کے مطابق سامان تجارت میں شرکت درست ہے۔ تو مجلس شرعی کا اسے مطلقا حنابلہ کا مذہب قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہاں مالکیہ کی طرف اس مذہب کی نسبت کرنا مطلقا درست ہے کیونکہ ان سے کوئی دوسری روایت منقول نہیں ہے۔ چنانچہ مجلس شرعی کی عبارت ملاحظہ ہو:

"مستند جواز أن يكون رأس مال الشركة موجودات غير نقدية (عروض) بعد تقويمها: أن مقصود الشركة جواز تصرف الشريكين في المالين جميعا وكون ربح المالين بينهما وهذا يحصل في العروض كحصوله في الأثمان فيجب أن تصح الشركة والمضاربة بها كالأثمان ويرجع كل واحد منهما عند المفاصلة بقيمة ماله عند العقد، وهو مذهب المالكية والحنابلة"[15]

"غیر نقد اثاثوں کو قیمت لگانے کے بعد شرکۃ کا سرمایہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ شرکۃ کا مقصد طرفین کو ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار دینا ہے اور پھر دونوں اموال کا نفع آپس میں تقسیم کرنا ہے۔ یہ مقصد روپیہ پیسہ کی طرح سازوسامان سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، لہذا پیسوں کی طرح سازو سامان سے بھی شرکۃ اور مضاربۃ دونوں جائز ہیں، معاہدہ کرتے وقت طرفین کے سازوسامان کی جو

قیمت متعین ہوئی تھی وہ دونوں کو کاروبار کی تحلیل کے وقت واپس کر دی جائے گی، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔"

مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ:

مجلس شرعی کا یہ فیصلہ مندرجہ ذیل وجوہ سے درست معلوم ہوتا ہے۔

1. مالکیہ کی رائے میں سب سے زیادہ عموم پایا جاتا ہے کہ ہر قسم کی اشیاء میں اور نقدی میں شرکت کی جاسکے، اس بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی ممانعت بھی وارد نہیں ہوئی۔
2. اس میں لوگوں کی آسانی اور سہولت کے پہلو کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ بہت زیادہ ضرورت بھی ہوتی ہے، لہذا اسے اختیار کرنا ہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔
3. بہت سارے لوگ آج کل نقدی کے علاوہ سامان میں بھی شرکت کرتے ہیں تو اگر دیگر مذاہب کے مطابق فتوی دیا جائے تو ایسے تمام لوگوں کے معاملات کو ناجائز اور حرام قرار دینا پڑے گا، لہذا ایسے مذہب پر فتوی دینا کہ لوگ حرام سے بچ جائیں یہ بہتر صورت کا انتخاب ہے۔
4. آج کل اسلامی مالیاتی اداروں سے جو لوگ پیسے لیتے ہیں ان کے پاس فیکٹری، مشینری وغیرہ ہوتی ہے، پیسے نہیں ہوتے اسی لئے تو وہ بنک کے پاس آتے ہیں لہذا مالکیہ کے مذہب پر فتوی دئے بغیر مشارکہ کو بطور طریقہ تمویل استعمال کرنا بڑا مشکل ہو جائے گا، اس لئے یہ فتوی وقت کی ضرورت ہے اور بالکل درست ہے۔ البتہ اس کی نسبت مطلقا حنابلہ کی طرف درست نہیں ہے، کیونکہ حنابلہ سے مختلف روایات منقول ہیں اور زیادہ روایات اس کے عدم جواز کی ہیں لہذا مطلقاً یہ نسبت درست نہیں۔

شرکۃ وجوہ کا جواز:

شرکت وجوہ جسے شرکۃ ذمم بھی کہتے ہیں شرکت کی ایک ایسی قسم ہے جس میں شرکاء سرمایہ بھی نہیں لگاتے، اور اس میں شرکت اعمال کی طرح کوئی کام بھی نہیں ہوتا، محض اپنی وجاہت کی بناء پر ادھار سامان لے کر فروخت کیا جاتا ہے اور نفع تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب:

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرکت وجوہ جائز ہے، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس میں ہر شریک اپنے ساتھی کا بیع وشراء میں وکیل ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کی ایک دوسرے کی وکالت اس بات پر ہے کہ ان کے درمیان شئے مشتری صحیح ہے۔[16]

دلیل:

حنفیہ اور حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ شروع سے ہی لوگ ایسا معاملہ کرتے رہے ہیں اور کسی نے ان پر نکیر نہیں فرمائی، تو جس کام کے اعتبار سے یہ متفق ہوں تو اس کا عقد شرکت کرنا بھی صحیح ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور ظاہریہ کا مذہب:

مالکیہ، شافعیہ، ظاہریہ، امامیہ، ابو سلمان اور ابو ثور کے ہاں یہ شرکت باطل ہے۔

دلیل:

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شرکۃ یا تو مال سے متعلق ہوتی ہے یا عمل سے، اور اس عقد میں دونوں معدوم ہیں۔ یہاں پر ایسا مال نہیں پایا جارہا جو شرکاء کے درمیان مشترک ہو، نیز اس میں دھوکہ بھی ہے، اس لئے کہ ہر ایک شریک اپنے ساتھی کو غیر متعین صنعت کے کسب کا معاوضہ دے گا۔[17]

مجلس شرعی کا فتوی:

مجلس شرعی نے شرکت ذمم کے جواز میں حنفیہ اور حنابلہ کا قول ذکر کیا ہے اور اس کے احکام المعاییر الشرعیہ میں باقاعدہ ذکر کیے ہیں۔

"شركة الوجوه (الذمم):هي اتفاق طرفين أو أكثر على الاشتراك في شراء موجودات بالأجل والالتزام بضمان أداء ثمنها بحسب النسب التي يتم تحديدها بين الشركاء، مع تحديد نسب الأرباح بصورة متفقة مع النسب المحددة لضمان الأداء أو مختلفة عنها"[18]

"شرکۃ وجوہ (ذمہ داری پر مبنی شراکت) میں دو یا زیادہ لوگوں میں شراکت داری قائم کی جاتی ہے جو ادھار پر سامان خریدتے ہیں اور طے شدہ تناسب سے اس کی قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری برداشت کرنے کے پابند ہوتے ہیں، نیز اس میں شرکاء کے درمیان نفع کا تناسب بھی طے کرنا ضروری ہے، خواہ وہ ادھار واپس کرنے کی ذمہ داری کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہو یا اس سے مختلف ہو۔"

اس کے بعد ضابطہ نمبر 3/2/2 اور ضابطہ نمبر 3/2/3 بھی شرکۃ الوجوہ کی تفصیلات بیان کی ہیں جن میں نفع و نقصان کی تعیین، شرکت کا محل، دیون کی ذمہ داری کے بارے میں احکامات ذکر کیے ہیں۔

مجلس شرعی کا شرکت الوجوہ کو اپنے معیار میں ذکر کرنا اور اس کے احکامات کی تفصیل ذکر کرنا اس بات کی واضح اور ٹھوس دلیل ہے کہ وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں اور اس میں وہ حنفیہ اور حنابلہ کا قول اختیار کرتے ہیں کیونکہ شرکت وجوہ انہی کے نزدیک جائز ہے باقی حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہیں۔

مجلس شرعی کے فتوے کا جائزہ:

مجلس شرعی کا مذکورہ فتوی بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شرکۃ الوجوہ کی جیسے پہلے ضرورت تھی آج بھی اسی طرح ضرورت ہے اور پہلے لوگ اس طرح کے عقود کرتے رہے ہیں۔

دوسری بات اس میں یہ ہے کہ اگر لوگوں کے پاس سرمایہ نہیں ہے اور وہ کوئی کام بھی نہیں جانتے کہ وہ شرکۃ الصنائع کرلیں یا شرکۃ عنان و مفاوضہ کرلیں۔ تو ایسے غریب لوگوں کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ ادھار پر مال خرید کر بطور شرکت کاروبار کرسکیں۔ لہذا یہ لوگوں کی ضرورت ہے اس لئے اس کے جواز کا فتوی دینا بلکل درست بات ہے۔

رہی یہ بات کہ اس میں غرر ہے جیسا کہ اس کے مخالفین کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب نفع و نقصان اور ضمان کے اصول طے

ہو جائیں تو غرر ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا عدم جواز کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

شرکت وجوہ میں نفع کی تقسیم:

شرکت وجوہ سے متعلق دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس میں نفع کی تقسیم کیسے ہو گی؟ مالکیہ اور شوافع تو اسے سرے سے جائز ہی قرار نہیں دیتے لہذا وہ تو اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ شرکت باطل ہے، لیکن حنفیہ اور حنابلہ نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن ان دونوں میں بھی نفع کی تقسیم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حنفیہ کا مذہب:

حنفیہ کے نزدیک شرکۃ وجوہ میں نفع شرکاء کے ثمن کے ضمان لینے کے تناسب سے ہی ہو گا جو آپس میں شرکاء نے عقد شرکت کے وقت طے کیا ہو گا۔ لہذا یہ جائز اور مشروع ہے کہ شرکت وجوہ میں اس پر عقد ہو کہ سب شرکاء یا ان میں سے کوئی ایک جس چیز کو خریدے گا وہ ان کے درمیان آدھی آدھی ہو گی یا معلوم اور طے شدہ فرق کے ساتھ ہو گی۔ تو جو جتنا ضمان دے گا نفع بھی اسے اتنا ہی ملے گا۔ کیونکہ شرکت میں نفع یا تو سرمایہ کی وجہ سے ملتا ہے یا عمل کی وجہ سے یا پھر ضمان کی وجہ سے۔ شرکت الوجوہ میں نہ تو سرمایہ ہے نہ ہی عمل، لہذا نفع صرف اور صرف ضمان کے مقابلے میں ہو گا۔ لھذا جو جتنا ضمان لے گا اتنا ہی اسے نفع بھی ملے گا تا کہ غیر مضمون کا نفع حاصل کرنا لازم نہ آئے۔ [19]

حنابلہ کا مذہب:

حنابلہ کے ہاں راجح مذہب یہ ہے کہ شرکۃ الوجوہ میں نفع شرکاء کے باہمی اتفاق کے مطابق تقسیم ہو گا، اس لئے کہ شرکت الوجوہ کے شرکاء تجارت کرتے ہیں اور تجارت ایسا عمل ہے جو ہیئت کے لحاظ سے فرق رکھتا ہے جیسا کہ کمیت کے لحاظ سے، اور تجارت کرنے والے کی سرگرمی اور تجربہ کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، لہذا انصاف یہی ہے کہ عقد کرنے والوں کو آزادی دی جائے کہ وہ اپنے حالات کے مطابق نفع کی تعیین کریں، چنانچہ اگر حالات نفع میں تفاوت کا تقاضا کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ [20]

مجلس شرعی کا فتوی:

شرکت وجوہ میں نفع کی تقسیم میں مجلس شرعی نے حنابلہ کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ شرکت وجوہ میں شرکاء جس نفع پر اتفاق کر لیں وہ درست ہے۔ چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں ہے:

"شركة الوجوه (الذمم):هي اتفاق طرفين أو أكثر على الاشتراك في شراء موجودات بالأجل والالتزام بضمان أداء ثمنها بحسب النسب التي يتم تحديدها بين الشركاء، مع تحديد نسب الأرباح بصورة متفقة مع النسب المحددة لضمان الأداء أو مختلفة عنها"[21]

"شرکۃ وجوہ (ذمہ داری پر مبنی شراکت) میں دو یا زیادہ لوگوں میں شراکت داری قائم کی جاتی ہے جو ادھار پر سامان خریدتے ہیں اور طے شدہ تناسب سے اس کی قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری برداشت کرنے کے پابند ہوتے ہیں، نیز اس میں شرکاء کے درمیان نفع کا تناسب بھی طے کرنا ضروری ہے، خواہ وہ ادھار واپس کرنے کی ذمہ داری کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہو یا اس سے مختلف ہو۔"

مجلس شرعی کے فتوے کا جائزہ:

مجلس شرعی کا یہ فتوی حنابلہ کے مذہب پر قائم ہے اور فتوی لوگوں کے حالات کی بنیاد پر بالکل درست معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس شرکۃ میں اگرچہ مال نہیں ہے اور نہ ہی شرکۃ الصنائع کی طرح عمل ہے صرف ضمان ہے جیسا کہ حنفیہ نے کہا ہے کہ جب ضمان ہی باقی رہ گیا تو اب نفع بھی اسی کے مطابق ہی تقسیم ہوگا۔ لیکن یہاں ضمان کے ساتھ تجارت کرنے کا عمل موجود ہے اور تجارت کرنے کی کمیت اور تجربہ میں تمام لوگ برابر نہیں ہوتے، اس میں جس کا تجربہ زیادہ ہو اس کیلئے نفع بھی زیادہ مقرر کیا جاسکتا ہے، اگرچہ ضمان سب کا برابر ہی کیوں نہ ہو، اور آج کے دور میں تجارت میں سوجھ بوجھ اور تجربہ سرمائے سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور اسے اہمیت دینی بھی چاہیے، لہذا تجارت میں ماہر بندے کو نفع زیادہ دینا چاہیے، لہذا اس مسئلہ میں حنابلہ کے مذہب پر فتوی دینا بلکل درست ہے اور آج کے تجارتی حالات کے عین مطابق ہے۔

حاصل بحث:

ہیئۃ المحاسبۃ کے شرکت سے متعلقہ معیار شرعی "الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ" کا جائزہ لیا جائے تو اس میں تلفیق بین المذاہب مکمل طور پر فعال نظر آتی ہے۔ چناچے اس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ مجلس شرعی نے شرکت میں منافع کی تقسیم میں اور اختتام شرکت میں حنفیہ کے مذہب پر، شرکت میں سرمائے کی نوعیت میں مالکیہ کے مذہب پر، شرکت وجوہ کے جواز میں حنفیہ اور حنابلہ جبکہ شرکت وجوہ میں نفع کی تقسیم میں صرف حنابلہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے۔ یہاں ایک ہی باب کے مختلف مسائل میں مختلف مذاہب کو ملا کر ایک شرعی معیار مرتب کیا گیا ہے۔ اور یہی تلفیق ہے، لیکن یہاں یہ بات بڑی اہم ہے کہ تلفیق بین المذاہب کے عدم جواز کی کوئی صورت یہاں موجود نہیں ہے بلکہ جس مذہب کو بھی مجلس شرعی نے لیا ہے وہ دلائل اور حالات کے اعتبار سے راجح ہے، البتہ مجلس شرعی کا یہ کہنا کہ نفع مختلف ادوار میں بدلنا بھی جائز ہے یہ بات محلِ نظر ہے اور درست نہیں ہے کیوں کہ اس سے شرکت کا اصل مقصود فوت ہو جاتا ہے لہذا یہ درست نہیں ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] احمد بن محمد الصاوی، **بلغۃ السالک لاقرب المسالک المعروف بحاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر**، (مصر: دار المعارف، 1420ھ)، ج2، ص70؛ محمد بن احمد، الشربینی، شمس الدین، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ط1، 1415ھ) ج2، ص215

Aḥmad ibn Muḥammad al-Ṣāwī, **Balagah al-Sālik li aqrab al-Masālik al-Ma'rūf bi Ḥashiyah al-Ṣāwī ala al-Sharḥ al-Ṣaghīr**, (Miṣr: Dar al-Mu'ārif, 1420H) vol 2 pg no.70;
Muḥammad ibn Aḥmad, al-Sharbīnī, Shams al-Dīn**, Mughnī al-Muḥtaj ilā ma'rifah ma'ānī alfāz al-Minhāj**, (Beirūt: dar al-Kutub al-ilmiyyah, 1st edition, 1415H) vol 2, pg no.215

[2] ابن قدامہ، **المغنی**، (بیروت: دار الکتاب العربی، 1972ء) ج5، ص140؛ برھان الدین ابن مفلح، **المبدع فی شرح المقنع**، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1418ھ) ص4-5

Ibn Qudāmah, **al-Mughnī**, vol 5, pg no. 140,(Beirūt: dar al-Kitāb al-Arabī ,1972AD)

[3] برھان الدین علی بن ابو بکر، المرغینانی، **الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی**، (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، ج3، ص7؛ کاسانی، **بدائع الصنائع**، ج6، ص63

Al-Marghinānī, Burhān al-Din, Ali ibn AbuBakr, **al-Hidāyah fi sharḥ bidāyah al-Mubtadī**, (Beirūt Lebanon Dar Iḥyā al-Turāth al-Arabi), vol 3 pg no.7; Kāsānī, **Badā'i al-Ṣanā'i**, vol 6, pg no.63

[4] ابو محمد عبد اللہ بن یوسف جمال الدین الزیلعی، **نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ**، (بیروت: مؤسسۃ الریان ط1، 1418ھ) ج3، ص475

Jamāl al-Din, al-Zayla'ī, Abu Muḥammad Abdullah ibn Yūsuf, **Naṣb al-Rāyah li Aḥādīth al-Hidāyah**, (Beirūt, Lebanon :Mu'assisah al-Rayyān, 1st edition, 1418H) vol 3, pg no.475

[5] المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ضابطہ نمبر 3/1/5/3، ص164

Al-Ma'āyīr al-Shar'īyyah, al-Mi'yār al-Shar'ī, Number 12, **al-Shirkah (Mushārikah) wa al-Sharikāt al-Ḥadīthah**, Zābita number 3/1/5/3, pg no.164

[6] المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ص176

Ibid, p.176

[7] المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ضابطہ نمبر 3/1/5/5، ص165

Ibid, Zābitah number 3/1/5/5, p165

[8] المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ضابطہ نمبر 3/1/5/9، ص165

Ibid, Zābitah number 3/1/5/9, pg no.165

[9] الدردیر، ابو البرکات احمد بن محمد، **الشرح الصغیر علی اقرب المسالک**، دار المعارف، مصر، 3/458

Al-Dardīr, abu al-Barakāt Aḥmad ibn Muḥammad, **al-Sharḥ al-Ṣaghīr alā aqrab al-Masālik**, Dar al-Mu'ārif, Miṣr, vol 3, pg no.458

[10] **محمد امین**، ابن عابدین، **رد المحتار**، ج3، ص350؛ کاسانی، **بدائع الصنائع**، ج6، ص259-261

Ibn Ābidīn, Muḥammad Amīn, **Radd al-Muḥtār**, vol 3, pg no.350; Kāsānī, **Badā'i al-Ṣanā'**, vol 6, pg no.359-361

[11] شمس الدین محمد بن ابو العباس احمد بن حمزہ الرملی، **نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج**، (بیروت: دار الفکر، بیروت، 1404ھ) ص5-6؛ ابن الھمام، فتح القدیر، ج5، ص15

Shams al-din Muḥammad ibn Abu al-'Abbās Aḥmad ibn Hamzah al -Ramlī, **Nihāyah al-Muḥtaj ila Sharḥ al-Minhāj**, (Beirūt: Dār al-Fikr,1404H), pg no.5-6, ibn al-Hammām, **Fatḥ al-Qadīr**, vol 5 pg no.15

[12] شمس الدین محمد بن ابو العباس احمد بن حمزہ، الرملی، **نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج**، (بیروت: دار الفکر، بیروت، 1404ھ) ص5-6؛ ابن قدامہ، **المغنی**، ج5، ص126

Shams al-din Muḥammad ibn Abu al-'Abbās Aḥmad ibn Hamzah, Al-Ramlī, **Nihāyah al-Muḥtaj ila Sharḥ al-Minhāj**, (Beirūt: Dar al-Fikr,1404H) pg no. 5- 6, ibn Qadāmah, **al-Mughnī**, vol 5, pg no.126

13 ابن قدامہ، **المغنی**، ج5، ص126

ibn Qadāmah, **al-Mughnī**, vol 5, pg no.126

14 المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم 12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ضابطہ نمبر 3/1/2/1، ص163

Al-Ma'āyīr al-Shar'īyyah, **al-Mi'yār al-Shar'ī**, Number 12, al-Shirkah (Mushārikah) wa al-Sharikāt al-Ḥadīthah, Zābita number 3/1/2/1, pg no.163

15 المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم 12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ص176

Al-Ma'āyīr al-Shar'īyyah, **al-Mi'yār al-Shar'ī**, Number 12, al-Shirkah (Mushārikah) wa al-Sharikāt al-Ḥadīthah, p. 176

16 ابو عبد اللہ شمس الدین، محمد بن مفلح، ابن مفلح، **کتاب الفروع**، (مؤسسۃ الرسالۃ، 1424ھ) ص721؛ ابن ہمام، **فتح القدیر**، ج5، ص24-28

Abu Abdullah Shams al-Din, Muḥammad ibn Mufliḥ, Ibn Mufliḥ, **Kitāb al-Furū'**, (Mu'assisah al-Risālah, 2nd edition, 1424H) vol 1,pg no.731; Ibn al-Hammām, **Fatḥ al-Qadīr**, vol 5,pg no.24-28

23 شمس الدین، محمد بن احمد، الشربینی، **مغنی المحتاج**، (دار لکتب العلمیۃ، 1415ھ) ج2، ص212، محمد بن عبد اللہ خراشی، (بیروت: دار الفکر)، ج4، ص371

Shams al-Din, Muḥammad ibn Aḥmad, al-Sharbīnī, **Mughnī al-Muḥtaj**, vol 2, pg no.212; Muḥammad ibn Abdullah, al-Kharāshī, (Beirūt: Dar al-Fikr) vol 4,pg no.371

18 المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم 12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ضابطہ نمبر 33/2/1، ص166

Al-Ma'āyīr al-Shar'īyyah, al-Mi'yār al-Shar'ī, Number 12, al-Shirkah (Mushārikah) wa al-Sharikāt al-Ḥadīthah, Zābita number 3/1/5/3, p. 166

19 ابن الہمام، **فتح القدیر**، ج5، ص24-28

Ibn al-Hammām, **Fatḥ al-Qadīr**, vol 5, pg no.24-28

20 ابو عبد اللہ شمس الدین، محمد بن مفلح، ابن مفلح، **کتاب الفروع**، ص721؛ ابن قدامہ، المغنی، ج5، ص123-141

Abu Abdullah Shams al-Din, Muḥammad ibn Mufliḥ, Ibn Mufliḥ, **Kitāb al-Furū'**,pg no.721
Ibn Qadāmah, **Al-Mughnī**, vol 5 pg no.123-141

21 المعاییر الشرعیۃ، **المعیار الشرعی**، رقم 12، الشرکۃ (المشارکۃ) والشرکات الحدیثۃ، ضابطہ نمبر 3/2/1، ص166

al-Mi'yār al-Shar'ī,Al-Ma'āyīr al-Shar'īyyah, Number 12, al-Shirkah (Mushārikah) wa al-Sharikāt al-Ḥadīthah, Zābita number 3/2/1, p. 166